سترھواں باب

قریش کا دوسرا وفد، ابو طالب کو دھمکی

۱۱۹ ایک ہاتھ پر چاند اور ایک ہاتھ پر سورج

۱۲۰ جب تک میں زندہ ہوں، اے محمدؐ، تم کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا

۱۲۰ اسلام سے نبٹنے کے لیے سرداروں کی میٹنگ

۱۲۲ مسلمانوں پر تشدد کا آغاز اور اُس کے مختلف ادوار

ستر ھواں باب

قریش کا دوسرا وفد، ابو طالب کو دھمکی

جب منکرینِ رسالت نے دیکھا کہ محمد ﷺ سارے پروپیگنڈے اور استہزا کے باوجود پوری جاں فشانی کے ساتھ نئے دین کی دعوت میں مشغول ہیں، مانا کہ اس سال ساری کوششوں کے باوجود محمد ﷺ کی تحریک عددی اعتبار سے کوئی قابلِ ذکر پیش رفت نہ دکھا سکی مگر غضب یہ ہو گیا کہ حج کے موقع پر ان کی منصوبہ سازی دھری کی دھری رہ گئی آپ ﷺ نے ایک ایک خیمے اور کیمپ میں جا کر اپنی بات پہنچا دی، جو بات پہلے مکے کے تھوڑے سے نوجوانوں تک محدود تھی اب پورے عرب کے تہذیبی اور معاشی سالاروں [۲۴] کے دماغوں میں اپنی دستک دے چکی ہے، انھیں یقین تھا کہ آنے والے دنوں میں دلیل کے میدان میں محمدؐ سے نہیں جیت سکیں گے اور زندگی کا حق اُسی کو ملے گا جو دلیل پر ہو گا۔ چناں چہ فیصلہ کیا گیا کہ ابو طالب سے محمد ﷺ کی سرگرمیوں پر پابندی لگانے کے لیے دو ٹوک بات کی جائے [۲۵]۔

سردارانِ قریش کی ابو طالب کو دھمکی

سردارانِ کفار اس فیصلے کے بعد قریش کے ہاشمی سردار ابو طالب کے پاس پھر حاضر ہوئے اور دھمکی آمیز لہجے میں ابو طالب سے جھگڑنے لگے، بولے: "اے ابو طالب ! عمر تجربے اور حسب و نسب کے اعتبار سے آپ کا ہم لوگوں میں ایک خاص مقام ہے۔ ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو اِن باتوں سے روکے رکھیں جو ہمیں ناپسند ہیں لیکن آپ نے اس کو نہیں روکا اور

---

۲۴ جو سارے عرب سے حج کے لیے جمع ہوئے تھے۔

۲۵ گزشتہ نصف صدی میں مختلف مسلم ممالک میں اقامتِ دین کی تحاریک میں دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جب تک دلیل کے میدان میں باطل سے ایک چومکھی لڑائی جاری رہی تحریک کا اخلاقی اثر روز افزوں ترقی پاتا رہا اور باطل کی روسیاہی اور پریشانی حد درجے بڑھتی چلی گئی اور جب دلیل کے میدان کو چھوڑ کر باطل کے اپنے پسندیدہ میدانوں میں مقابلے کا آغاز ہوا تو تحریکیں اپنی جوانی سے قبل از وقت بڑھاپے کی جانب رواں ہو گئیں۔

معاملہ بہت بڑھ گیا ہے، اب ہمارے لیے یہ بات ناقابلِ برداشت ہوتی جارہی ہے کہ ہمارے بزرگوں کو گالیاں دی جائیں، انھیں برا بھلا کہا جائے، ہمارے عقل مند لوگوں کو بے وقوف گردانا جائے اور ہمارے معبودوں کی توہین کی جائے اور ان میں عیب نکالے جائیں[۲۶]۔ اب یا تو ہم اسے ایسی باتیں کرنے سے روک دیں گے یا پھر اس کے ساتھ ہمارا مقابلہ ہوگا۔ پھر آپ اس میں دخل اندازی نہ کیجیے گا حتیٰ کہ دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ تباہ ہو جائے۔"

ابو طالب ساری قوم کو محمد ﷺ کے خلاف اس حد تک جمع دیکھ کر متفکر ہوئے اور اِن لوگوں کے جانے کے بعد انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا بھیجا، جب نبی ﷺ آپ کے پاس آ گئے تو کہا: بھتیجے! تمھاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسی ایسی باتیں کہہ گئے ہیں۔ اب مجھ پر اور خود اپنے آپ پر رحم کرو اور اس معاملے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہو۔ تمہاری قوم تمہاری جن باتوں کو ناپسند کرتی ہے، اُن سے رک جاؤ۔ ان باتوں سے ہمارے اور ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی ہے۔

<u>ایک ہاتھ پر چاند اور ایک ہاتھ پر سورج</u>: یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے گمان کیا کہ اب شاید آپؐ کے چچا بھی آپؐ کی مزید حمایت نہیں کر سکیں گے اور وہ بھی آپؐ کی مدد سے معذور ہو گئے ہیں۔ اس لیے آپؐ نے چچا سے فرمایا: یاعم واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترک ھذا الامر حتی یظھرہ اللہ او اھلك فیہ ما ترکتہ: چچا جان اللہ کی قسم اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں

---

۲۶ ہم نے کفارِ مکہ کا مکالمہ ہو بہو ابنِ ہشام سے نقل کیا ہے، اس میں کفار نے آپ ﷺ کی جانب بزرگوں کو 'گالیاں' دینے کی بات کی تھی۔ جب کہ اللہ کے رسول کبھی گالیاں نہیں دیتے اور نہ ہی کبھی وقار سے گری کوئی بات کرتے ہیں، کفار نے یہ الفاظ یوں کہے کہ اُن کے خیال میں بزرگوں کے بارے میں یہ کہنا کہ "وہ صحیح رستے پر نہیں ہیں یا تھے" دراصل گالی ہے۔ چناں چہ کفار نے ہر جگہ یہ بات کہی کہ وہ ہمارے بزرگوں اور معبودوں کو گالیاں دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بیشتر سیرت نگاروں نے کفار کے الفاظ کو ہی نقل کیا ہے۔ الرحیق المختوم میں صفحہ ۱۱۶ پر مصنف نے اس کی توضیح یوں کی ہے کہ 'اُن کے معبودوں کو چھوڑنے کی دعوت دینا اور یہ کہنا کہ یہ معبود نفع و نقصان پہنچانے یا اور کچھ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے در حقیقت ان معبودوں کی سخت توہین اور بہت بُری گالی ہے' اس طرح اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ گالی دینے والی بات مشرکین مکہ کے اپنے ذہن کا شاخسانہ تھا، و گرنہ اللہ کا نبی ہمیشہ انتہائی وقار سے بات کرتا ہے اور نبی ﷺ کی تو تعلیم تھی کہ جن کے معبودوں کو گالی نہ دی جائے۔

سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں تو بھی میں دعوتِ دین سے باز نہیں آسکتا، ! میں اس مشن کو اس حد تک پہنچائے بغیر نہیں چھوڑوں گا کہ یا تو اللہ اسے غالب کر دے یا میں اِسی راہ میں اپنی جان دے [اھلك فیه] دوں (او کما قال)۔

یہ کہتے ہوئے آپؐ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں، آپ ﷺ رو پڑے اور پھر آشک بار آنکھوں کے ساتھ ہی اُٹھ گئے۔ واپس پلٹنے لگے تو ابو طالب کی محبت نے جوش مارا، بھتیجے کو پکارا، آپؐ سامنے تشریف لائے تو کہا: بھتیجے ! جاؤ جو چاہو کہو۔ اللہ کی قسم ! میں تمھیں کبھی بھی کسی بھی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتا۔ اور اشعار کہے جن کا مطلب کچھ یوں ہے :

جب تک میں زندہ ہوں، اے محمدؐ، تم کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا: "اللہ کی قسم ! جب تک میں زندہ ہوں اور مر کر مٹی میں نہیں دبا دیا جاتا یہ سب کے سب مل کر بھی تم کو ہاتھ تک نہیں لگا سکتے۔ خوش ہو جاؤ، تمھاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں تم اپنی بات ہانکے پکارے بلا خوف و خطر کہو، تم پر کوئی پابندی نہیں۔"

کفار ایک حد کے اندر رہتے ہوئے جو دھمکیاں قریش کے اتنے بڑے سردار کو دے سکتے تھے وہ دینے کو تو دے آئے مگر وہ محمد (ﷺ) کو راہ سے ہٹانے کی کوئی سبیل نہیں پاتے تھے، آپؐ کو قتل کرنے کی بابت سوچنا بھی آسان نہیں تھا، قریش جنگ سے پہلے ہی بے زار تھے، اقدام قتل کا مقصد آنے والے پچیس پچاس سال مکے میں قتل و غارت گری تھی اور عین ممکن تھا کہ اس افرا تفری سے فایدہ اٹھا کر کوئی بیرونی طاقت مکے پر قبضہ کر لے۔ یہی وجہ تھی کہ دس نبوی یعنی پانچ سال بعد وہ اس انتہا پر پہنچے کہ آپؐ کو قتل کرنے کی سازش کر سکیں [مگر اُس وقت چڑیاں کھیت چگ چکی تھیں، آپ ﷺ تو عازمِ مدینہ تھے]۔ وہ غصے سے اندر ہی اندر ہول کھاتے تھے کہ کریں تو کیا کریں؟

اسلام سے نبٹنے کے لیے سرداروں کی میٹنگ: اس مقصد کے لیے سردارانِ مکہ کی ایک مجلسِ مشاورت [میٹنگ] منعقد ہوئی جس میں پچیس کے قریب آئمۃ الکفر شریک ہوئے تا کہ اس مسئلے کا حل نکالا جائے۔ ایک ہی آسان حل تھا کہ تمام سرداران قبیلہ خود اپنے اپنے قبیلے کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ اُن کے قبیلے میں محمد (ﷺ) کے کتنے متاثرین و متبعین ہیں اور پھر اُن کو جتنا بھی ڈانٹ

ڈپٹ اور مار پیٹ کر واپس لایا جا سکتا اور اسلام سے متنفر کیا جا سکتا ہو کیا جائے۔ اس قرار داد نے محکوم طبقات یعنی غلاموں اور لونڈیوں کا جو ایمان لائے تھے جینا دو بھر کر دیا۔ قبیلے کے معزز لوگ بھی متاثر ہوئے مگر ایک حد تک مگر بے چارے مسلمان ہونے والے غلام اور لونڈیوں کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا، یاسرؓ کے خاندان کے تمام افراد (عمارؓ، سمیہؓ)، خباب بن ارتؓ، بلالؓ، زِنیرہ وغیرہ سب سے زیادہ اس قرار دادِ تشدّد Terrorism کا شکار ہوئے۔ نبوت کے چوتھے سال نبی ﷺ اور اہلِ ایمان اعلانیہ دعوت و تبلیغ کے کام میں مصروف تھے اور مخالفین و معاندین استہزا (مذاق اڑانے) اور اعتراضات میں سرگرم تھے، مخالفین و معاندین کا طریقِ واردات [strategy] حج کے بعد محرم شروع ہوتے ہی [یعنی نبوت کے پانچویں سال کے آغاز سے] یک دم تبدیل ہو گیا، اب اُن کا رَوّیہ مائل بہ تشدّد (Persecution) ہو گیا۔ یہ بالکل فطری بات تھی کیوں کہ حج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جس جرأت و بہادری سے سارے قبائلِ عرب کے سامنے دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیا اور مشرکین تمام کوششوں کے باوجود محمد ﷺ کو روکنے میں ناکام ہو گئے تھے، ایسی ہزیمت کے بعد جہالت اور ہٹ دھرمی اُنھیں تشدّد کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ سجھا ہی نہ سکتی تھی۔

یہ تشدّد بیشتر غلامان اور مظلومان تک محدود تھا (تفصیلات اس کتاب کے ۲۲ویں باب میں دیکھیے) مگر سر پھرے اور اَکھڑ دماغ والے عزیز و اقارب نے اپنے اپنے خاندان کے معزز لوگوں کی بھی خبر لے ڈالی (اس کی تفصیل کتاب کے ۲۸ویں باب میں دیکھیے) اندازہ کیجیے کہ ابو بکرؓ اور عثمان بن عفانؓ جیسے آسودہ اور معززینِ شہر بھی اتنا ستائے اور مارے گئے کہ اوائل چھ نبوی ہی میں یہ دونوں مبارک ہستیاں ہجرت کے لیے نکل کھڑی ہوئیں، زمانی ترتیب میں اپنی جگہ پر ان دونوں کی ہجرت کے واقعات سامنے آئیں گے۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام ابتداً اس تشدّد سے، شہر میں اپنی عزت و وجاہت اور اُس رعب و دبدبہ کی وجہ سے جو صادق القول اور مخلص و بے غرض انسانوں کے چہروں پر اللہ تبارک و تعالیٰ ڈال دیتے ہیں، محفوظ رہے۔ اس محفوظیت میں ابو طالب کی پشت پناہی کا بھی بڑا دخل تھا۔ مگر جب دیگر اہلِ ایمان پر تشدّد سے اُن کے دیدوں کا پانی مر گیا اور مکہ کی گلی گلی مومنین صادقین کے لیے ایک تعذیب خانہ بن گئی تو قومِ ثمود کی مانند مکہ کے چند شقی القلب بدبخت اس حد تک آمادہ ہو گئے کہ اللہ کے رسول ﷺ

کو نشانہ ستم بنائیں (نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر تشدد کی تفصیلات اس جلد کے ۳۰ویں باب میں دیکھی جاسکتی ہیں)۔ یہاں تک پہنچنے میں انھیں چند ماہ لگے۔

مسلمانوں پر تشدد کا آغاز اور اُس کے مختلف ادوار

واقعات پر غور و خوض اور اس دوران نازل ہونے والے قرآن کی سورتوں کے مضامین کے مزاج سے کچھ مدد لیں تو یوں تعین کیا جاسکتا ہے کہ سن پانچ نبوی کا نصف اول تشدّد کا ہلکا ہلکا آغاز کا زمانہ رہا، نصف آخر کے ابتدائی تین ماہ میں اُس نے خوب دَم پکڑا (زور پکڑا) اور اپنی انتہاوں کی جانب بڑھنے لگا [تشدد کی یہ لہر سنہ پانچ نبوی سے شروع ہوئی اور اسی سال کے اختتام تک اپنی انتہائی بلندی peak تک پہنچ کر چھٹے سال کے اختتام تک ڈھل گئی لیکن پورے طور پر ختم نہیں ہوئی، تشدد کے بے شمار واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں مگر اِن میں سے بیشتر واقعات کے زمانی تعین سے کتبِ تاریخ خالی[۲۷] ہیں]، پانچویں سال کا اختتام تھا کہ جب غیرت و مروت کا جنازہ نکلا، حجاب ٹوٹے اور نفسانیت غالب آگئی تو شقی القلب لوگوں نے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو نشانہ بنانے کی ابتدا کی۔ ایسا بھی نہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر تشدّد نے اُن حدود کو چھوا ہو جو تپتی ریت اور پہاڑی پتھروں پر اہلِ ایمان پر روا تھا، اور ایسا بھی نہیں تھا کہ ابوطالب کی پشت پناہی ختم تھی معاملہ یہ تھا کہ مخالفت اپنی انتہاوں کی جانب جارہی تھی اور اس میں آپؐ کے رعب و دبدبے اور ابوطالب کی پشت پناہی نے بس ایک حد تک کام کیا اور ایک حد سے آگے ظالموں کو نہ بڑھنے دیا ساتھ ہی بڑے جھگڑے اور جنگ و قتال سے بچنے کے لیے مشرکین نے صرفِ نظر سے کام لیا، اسی طرح ظالم بھی آپؐ کے معاملے میں ابتدائی حدود سے آگے نہ بڑھ سکے۔ آپ پر تشدد کا بدترین واقعہ پانچ نبوی میں اُس وقت پیش آیا جب عقبہ بن معیط نے حالتِ سجدہ میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیٹھ پر اوجھڑی ڈالی، اس واقعے کا تذکرہ ۳۰ویں باب میں کیا گیا ہے، جو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر تشدد کے تمام واقعات کا احاطہ کرتا ہے

☆☆☆☆☆

۲۷ راقم کو اس زمانی تعین پر ہر گز کوئی اصرار نہیں، اہلِ علم اگر واقعات کی اس سے بہتر کوئی زمانی ترتیب بیان کریں جس کے ساتھ اس دوران اترنے والے قرآن کی بھی مناسبت ہو تو وہی ترتیب زیادہ بہتر ہو گی اور ہمیں کوئی چیز اُسے اختیار کرنے میں مانع نہیں ہو گی۔